ریسرچ اسکالر کا نام: محمد جہاں گیر حسن

نگراں: ڈاکٹر سرور الہدی

شعبہ: شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

موضوع: اعظم کریوی: حیات اور خدمات

اعظم کریوی جس عہد سے تعلق رکھتے ہیں وہ اردو افسانہ نگاری کا دوسرا دور تسلیم کیا جاتا ہے۔اس عہد میں حقیقت نگاری اور دیہات نگاری کو فروغ حاصل رہا ہے۔ چنانچہ اعظم کریوی، پریم چند، مہاشہ سدرشن، علی عباس حسینی وغیرہ نے ایک غالب رجحان کے طور پر حقیقت نگاری اور دیہات نگاری کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ان فکشن نگاروں نے اردو افسانے کو اس کامیابی کے ساتھ عوام وخواص کے سامنے پیش کیا کہ اول دور کے مقبول افسانہ نگاروں (راشد الخیری، نیاز، سلطان حیدر، سجاد یلدرم) کے افسانوں کو لوگ بھولنے لگے، اور حقیقت نگاری کی لطیف خوشبو سے اپنے دل ودماغ کو معطر کرنے لگے۔

اعظم کریوی ایک ایسے افسانہ نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں جو از اول تا آخر ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی پاسبانی ونگہبانی کرتے رہے اور مغربی تہذیب وتمدن کو قبول کرنے میں بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ان کے افسانے عام فہم اور سادہ ہوتے ہیں لیکن ان کا مشاہدہ کافی گہرا ہوتا ہے جس کے باعث وہ جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں اس کی ہو بہو تصویر نگاہوں میں بس جاتی ہے۔ان کے کردار عام طور پر دیہاتی ہوتے ہیں اور جس کردار کی زبان سے جو مکالمہ ادا کراتے ہیں وہ فطری معلوم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ایک تعلیم یافتہ انسان دوسرے تعلیم یافتہ انسان سے مخاطب ہوتا ہے تو وہ ''حجلہ عروسی، دست غیب، ننگ اسلام، مشاطہ، ہم زلف، یاران طریقت'' وغیرہ پر شکوہ الفاظ پر مشتمل جملوں کا استعمال کرتا ہے، لیکن جب ایک دیہاتی محو گفتگو ہوتا ہے تو اس کا لہجہ یکسر بدل جاتا ہے، اور وہ ''معافی'' کی جگہ ''مافی''، ''حضور'' کی جگہ ''حجور''، ''جاتے ہیں'' کی جگہ ''جات ہیں''، ''لیکن'' کی جگہ ''مدا''، ''خراب'' کی جگہ ''کھراب'' جیسے شبدوں پر مشتمل جملوں کا استعمال کرتا ہے۔

غرض کہ اعظم کریوی ہندوستانی دیہات کی بےلوث اور سادہ زندگی کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔

یہ مقالہ ایک ''پیش لفظ'' اور کل پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں اعظم کریوی کی حیات، شخصیت اور ان کے عہد کا بیان ہے کہ وہ سنہ ۱۸۹۸یا۱۸۹۹عیسوی میں اپنے وطن ''کری''، ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور اعلی تعلیم کے لیے مختلف شہروں کا رخ کیا۔

مثلاً: الہ آباد، سہارن پور، علی گڑھ، وغیرہ، اور تقریباً تیس برسوں تک ملازمت کی، اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گیے۔ انھوں نے چار شادیاں کیں جن سے آٹھ لڑکے اور انیس لڑکیاں تولد ہوئیں۔ بچپنا تو نہایت خوشحالی میں گزرا، مگر آخری زندگی بہت ہی کسمپرسی کے عالم میں بسر ہوئی، اور پھر ایک دن ایک وحشت ناک حملے میں سنہ ۱۹۵۵ عیسوی میں اس دنیا سے رخصت ہو گیے۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری کی صورت میں ہوا، لیکن بہت جلد شاعری چھوڑ دی اور افسانہ نگاری کی طرف متوجہ ہو گیے۔ ان کے افسانوں کی تعداد تقریباً ۱۳۰ تک پہنچتی ہے۔

دوسرے باب میں ان کی تصانیف اور ان کے مقالات و مضامین کا تفصیلی تعارف ہے۔

تیسرے باب میں افسانے کی روایت اور اس کے فنی لوازمات پر گفتگو ہے۔

چوتھے باب میں اعظم کریوی کی تخلیقی شخصیت اور ان کی فنی خصوصیات و امتیازات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور افسانہ کے تناظر میں ان کے مقام و رتبے کی تعیین کی گیئی ہے کہ اعظم کریوی اردو کے ان بزرگ اہل قلم میں سے ہیں جن کا نام اردو کے اولین افسانہ نگاروں مثلاً: سجاد حیدر، منشی پریم چند، نیاز وغیرہ کے فوراً بعد آتا ہے۔ دیہات کی عام زندگی اور اس کی تمام تر خصوصیات کو وہ بڑی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانے ہندوستانی مشترکہ تہذیب کے حقیقی علمبردار ہیں۔ وہ بے لاگ اور غیر شخصی خارجیت جو پریم چند کا خاص فن رہا ہے وہ اعظم کریوی کے افسانوں میں بھی کافی حد تک پائی جاتی ہے۔ باوجود کہ اعظم، منشی پریم چند کی طرح حقیقت نگار تھے لیکن ان کی حقیقت پاپسندی میں رقت پسندی کا زاویہ شامل ہے جس کی وجہ سے اعظم، منشی پریم چند سے منفرد نظر آتے ہیں۔

افسانے کی تعمیر و تشکیل میں بھی اعظم کریوی کا اہم کردار ہے اور اس تعلق سے ان کے افسانے ''پریم کی لیلا'' اور ''بڑے بول کا سر نیچا'' قابل تعریف ہیں۔

پانچویں باب میں اعظم کریوی کی شاعری کا تجزیہ، فنی محاسن اور زبان و بیان پر گفتگو ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعظم کی شاعری کا آغاز ان کی اولین عمر ہی میں ہو چکا تھا اور وہ بھی ہجویہ انداز میں۔ وہ اس طور پر کہ اسکول میں ایک پنڈت ماسٹر جی سے بڑی ناراضی رہتی تھی، چنانچہ ان کے خلاف دو چار ہجویہ اشعار کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اعظم کریوی بہترین افسانہ نگار ہونے کے ساتھ عمدہ فکر کے شاعر بھی تھے۔